مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند تفردات اور ضعف استدلال
(سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں) ایک ناقدانہ جائزہ

A Critical Analysis of Maulānā Nu‘mānī’s Uniquenesses
(*Tafarrudāt*) in The Light of Sīrat Al-Nabī(ﷺ)

ڈاکٹر منیر احمد*

ABSTRACT

Maulānā Shiblī Nu‘mānī (1914) was a great Muslim scholar of sub-continent. Shiblī was a versatile scholar in Arabic, Persian, Turkish and Urdu. He collected much material on the life of Prophet of Islam, Muhammad (ﷺ) but could write only first two volumes of the planned work the Sirat-un-Nabi(ﷺ). His disciple Syed Sulaymān Nadvī, made use of this material and added to it and also wrote remaining five volumes of the work, the Sīrat Al-Nabī(ﷺ) after the death of his mentor. Shiblī was greatly inspired by the progress of science and education in the West. He wanted to inspire the Muslims to make similar progress by having recourse to their lost heritage and culture, and warned them against getting lost in the Western culture. The writer of this article has written a preface followed by an introduction of life and work of Maulānā Nu‘mānī. The next part consists of explaining distinctive features of Shiblī’s book. Maulānā Nu‘mānī dedicated his entire life for the sake of Islam. He had a high quality awareness of the Quran and Sunnah. In his book “Sīrat Al-Nabī", he proved his uniqueness (tafarrudat) regarding various Islamic teachings. In this article I have endeavored to collect some of his uniqueness (tafarrudat) on various issues. Maulānā Nu‘mānī's uniqueness and exclusive ideas were unacceptable for many of contemporary scholars and traditional religious leadership. This article contains some of the selected religious issues in which Shiblī has differed, on the basis of arguments from Quran and Hadith, from traditional scholars. In this article I have analysed Allama's such ideas from his original writings.

Keywords: *Sīrah writing, contemporary modernity, uniqueness, distinguishes and choices, unacceptable unique and exclusive ideas.*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، ایرڈ ایگریکلچر یونیورسٹی، راولپنڈی

بیسویں صدی کا آغاز برصغیر میں اردو سیرت نگاری کا دورِ کمال ہے، جس میں بیک وقت مولانا شبلی نعمانی (١٨٥٧ـ١٩١٤ء) اور قاضی محمد سلیمان منصورپوری (١٨٦٧ـ١٩٣٠ء) جیسے بالغ نظر محقق اور وسیع المطالعہ مصنفین سیرت کی کاوشیں مقبول ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں، ان کی کتابوں پر بہت سے تحقیقی اور تنقیدی محاکمے ہوئے ہیں۔ ماضی میں مولانا حفظ الرحمن صاحب، محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد اسحق، شبیر احمد عثمانی، عبد الرؤف صاحب داناپوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہم اور کتنے ہی بالغ نظر علماء نے مختلف مقامات پر بڑی اہم اور مفید تنقیدیں کی ہیں، جن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد رشید سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی بعض تحقیقات اور حوالوں سے اختلاف کیا ہے۔ پیشِ نظر رہے کہ اس نوعیت کی چند تحقیقی فروگزاشتوں اور علمی لغزشوں کے باوجود مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شخصیت مسلم اور ان کے ادبی اور تحقیقی کارنامے زندہ جاوید ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (١٨٥٧ء) بھارت کے صوبہ (U.P) کے ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، بنیادی طور پر وکیل تھے، مگر وکالت کے شعبہ میں جی نہ لگا۔ ١٨٨٢ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر کیے گئے، جہاں پروفیسر آرنلڈ سے ان کا تعارف ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرانسیسی زبان سیکھی اور انہیں عربی زبان وادب سے روشناس کرایا۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سرسید احمد خان کی وفات کے بعد دار المصنّفین کی بنیاد رکھی۔ ١٨ر نومبر ١٩١٤ء کو وفات پائی۔[١]

شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ١٩١٤ء) کی کتاب "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی اس کی طباعت کے ابتدائی مراحل مکمل ہو چکے تھے۔ کتاب کی پہلی دو جلدیں مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی، ازواج مطہرات و اہل بیت کا تفصیلی تعارف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا بیان ہے، باقی پانچ جلدیں مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید علامہ سید سلیمان ندوی کی تحریر ہیں، چونکہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا شبلی سے طویل عرصے تک استفادہ کیا اور اس موضوع پر علامہ شبلی کی لکھی ہوئی حواشی و تعلیقات کے وارث وامین بھی وہی ہوئے، اس لیے علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بقیہ پانچ جلدوں کے خاکے اور ان کی بعض محتویات کی تالیف و تصنیف میں، انہوں نے اکثر وبیشتر مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل وترجیحات کی رو رعایت کی۔[٢]

---

(١) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اوّل: ١٣٩١ھ، ١٩٧١ء، ١١/٦٥٠

(٢) انصاری، نادر عقیل، (ڈاکٹر) استعماریات اور شبلی کی سیرت نگاری، سہ ماہی "جی" لاہور، جولائی۔اکتوبر ٢٠١٢ء، جلد: ٧ـ٨، ص: ٦٠

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض مسائل و مباحث کے سلسلے میں جمہور علماء سے الگ اپنا موقف اختیار کیا ہے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلکِ جمہور سے اختلاف ہی خود ان کے تفرد کو واضح کر رہا تھا جو بذات خود ایک طرح کی کمزوری ہے مگر اس کے ساتھ مولانا کا ضعفِ استدلال کا پہلو صورت حال کو اور سنگین کر دیتا ہے۔ ستم یہ کہ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات وامتیازات اسی زمرے میں آتے ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ھذا کی تحقیقی و استنادی حیثیت بری طرح مجروح ہوئی ہے۔ ذیل میں اس سلسلے کی بعض امثلہ پیش کی جاتی ہیں:

۱- واقعۂ ذبح کی حقیقت:

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے امتیازات و تفردات اور ضعف استدلال کی مثالوں میں پہلی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذبح ہے، جس میں مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل و استدلال سے استفادہ کیا ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ قربانی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ نذر کیے جانے والے شخص کو بیت اللہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ”خواب کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا نہیں بلکہ اسے کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہی قربانی کی حقیقت ہے“۔[۱]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فی الواقع ذبح کرنے کا قصد کیوں کیا؟ مولانا حمید الدین فراہی کا یہ خیال ہے کہ شریعت الٰہیہ سے یہ بات بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنے بیٹے کا ذبح کا حکم دے:

> "يبعد جدا عن سنة الشريعة الإلهية أن يأمر الله عبداً بذبح ولده".[۲]

---

(۱) حمید الدین فراہی نے لکھا ہے: انه جعل اسماعيل واقفا امام الرب و موقوفاً علىٰ خدمت بيته، و ذلک تعبير عن القربان، دیکھیے: الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح، دارالقلم، دمشق، ط۔ن، ص: ٦٧

(۲) حمید الدین فراہی، الرأی الصحیح، ص:۳۹، لیکن مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے اور قرآن مجید کے صریحاً خلاف ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتایا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا: افعل ماتؤمر (سورۃ الصافات: ۱۰۲) یعنی (آپ وہ کر گزریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔)۔ اس آیت میں ذبح کو اللہ تعالیٰ کا امر (حکم) قرار دیا گیا ہے،

مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خواب دکھایا گیا تھا اور خواب تاویل کے محتاج ہوتے ہیں، جب ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا تو حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی بہتر تاویل یہ تھی کہ اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی نذر کریں یعنی اسے بیت اللہ کا خادم بنائیں۔[۱] لیکن خوابوں کی درست تاویل کبھی کبھی صاحب رؤیا سے مخفی رہ جاتی ہے۔[۲] چنانچہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا تو کچھ اور گیا تھا لیکن وہ اپنے خواب کے کچھ اور ہی معنی سمجھے۔ انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو بیت اللہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیں لیکن وہ اس کا مطلب یہ سمجھے کہ جو کچھ دکھایا گیا ہے اسی پر بعینہ عمل کرتے ہوئے بیٹے کو ذبح کرنے کا قصد کریں، شبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو حقیقی اور عینی سمجھا اور اس لیے بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی"۔[۳]

چنانچہ جب وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے درپے ہوئے تو مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی "اجتہادی غلطی" تھی، مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کچھ اس طرح سے ہے:

جس کی تردید نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ضروری سمجھی، نہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان واقعہ کے وقت کی۔ علمائے اسلام اور مفسرین قرآن مجید اس معاملے میں درست عقیدے پر تھے۔

مثلاً علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"ولا يظن بالخليل والذبيح أن يفهما من هذا الأمر ما ليس له حقيقة حتى يكون منهما التوهم. وأيضا لو صحت هذه الأشياء لما احتيج إلى الفداء". القرطبی، محمد بن احمد، ابو عبد اللہ، الجامع لأحکام القرآن، تحقیق: احمد البردونی وابراهيم اطفيش، ناشر: دار الكتب المصرية –القاهرة، طبع: دوم، ۱۹۶۴ء، ۱۵/ ۱۰۳

امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فيه دلالة أن رؤيا الأنبياء والرسل عليهم السلام على حق تخرج كالأمر المصرح؛ ألا ترى أنه لما قال له: ﴿إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾، وقد عرف حرمة ذبح بني آدم وقتلهم قال له ولده: ﴿افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ ولو لم يكن أمرًا لم يقل: ﴿افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾"۔ الماتریدی، ابو منصور، محمد بن محمد بن محمود، تأویلات اہل السنۃ، محقق: د. مجدی باسلوم، ناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، لبنان، طبع: اول، ۲۰۰۵ء، ۸/ ۵۷۸

مسئلہ کی نوعیت کو مولانا سید ابو علیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

(۱) لیکن یہ تاویل بیسویں صدی میں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھ میں آئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سمجھ میں نہ آسکی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اپنی عقل و فہم کو پیغمبروں کے فہم پر ترجیح دینا فقط ہمارے متجددین کو زیبا ہے۔

(۲) حمید الدین فراہی، الرأی الصحیح، ص:۳۹–۴۱

(۳) شبلی نعمانی، مولانا، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (حصہ اوّل) طبع چہارم، معارف پریس اعظم گڑھ، س۔ن (حصہ دوم) طبع دہم، ۱۹۷۴ء، ۱/ ۱۹۱

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی"۔[۱]

مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال، جس پر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کی عمارت کھڑی ہے، قرآن مجید کے ظاہر سے بے پروائی، تورات اور عبرانی زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے اور سب سے بڑھ کر یہ نص قرآن مجید کے بھی خلاف ہے۔ موصوف کے استدلال کو اگر مان لیا جاہے تو قرآن مجید کی اس آیت کا کیا مطلب ہو گا؟

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾[۲]

"اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا! اسی طرح ہم محسنین کو انعام دیتے ہیں"۔

آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں ملنے والے حکم کی درست تعبیر فرمائی اور عین اس کی تعمیل کرتے ہوئے بیٹے کو فی الواقع ذبح کرنے کا قصد فرمایا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل کو "اجتہادی غلطی" کی بجائے ایک محسن کا عمل قرار دیا گیا ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں "احسان" دراصل کمال عبادت و طاعت کو کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى﴾[۳]

"اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی خبر نہیں پہنچی جس نے وفاداری کا حق ادا کر دیا؟"

مغربیت سے مرعوب ان متجددین نے ابراہیمی ایثار و وفا کی اس بے نظیر مثال کو "اجتہادی غلطی" قرار دیا، جو مذہب سے ایک بڑا انحراف ہے۔ خواب کی جو تعبیر ایک اولو العزم پیغمبر علیہ السلام نے کی اور جس کی اللہ تعالیٰ نے تصویب فرمائی وہ ہندوستان میں استعمار کے بعد ان متجددین ہی کو سمجھ میں آ سکی۔ جب استعماری تسلط قائم ہو گیا تو قرآن مجید کے "عارف" پیدا ہوئے اور انہیں اس خواب کی درست تعبیر سمجھ میں آئی! اللہ کے پیغمبر اور خود اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے مقابلے میں سرکشی کی یہ ایک افسوس ناک مثال تھی۔[۴]

---

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱/۹۷

(۲) سورۃ الصافات:۱۰۵

(۳) سورۃ النجم:۳۷

(۴) دیکھیے: نادر عقیل انصاری، استعماریات اور شبلی کی سیرت نگاری، ۷-۸/۹۳

سیرۃ النبی ﷺ کے جامع سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنے استاد کے موقف سے براءت کا اظہار کیا، چنانچہ جہاں مولانا شبلی رحمہ اللہ نے واقعہ ذبح کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی "اجتہادی غلطی" بتایا ہے، اس پر مولانا ندوی رحمہ اللہ نے ایک حاشیہ کا اضافہ کر کے اپنے استاد کے اس خیال پر تنقید کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "ہیچ مداں جامع کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی ماننے سے ابا کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو محبت الٰہی سے سرشار تھے، خطائے اجتہادی سے نہیں بلکہ غلبہ شوق اطاعت و محبت میں اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہ اور بلفظہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تاکہ اس ابتلا میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پورے اتریں اور اپنی طرف سے اپنے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمتِ توحید اور تولیتِ کعبہ کے لیے وقف کر دینے کی تاویل کا سہارا لے کر نفس کی متابعت کے شبہ اور دھوکے سے بھی پاک رہیں تاآنکہ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو اپنے لفظوں میں واضح فرمادے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی"۔ [١]

اس مسئلہ کے پس منظر کی وضاحت کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کو بہتر طریق پر سمجھا جا سکتا ہے۔ مولانا فراہی رحمہ اللہ و شبلی رحمہ اللہ کا یہ دعوی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی حقیقت یہ تھی کہ اپنے بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جائے، قرآن مجید اور امت کے اجماع کے خلاف ہے لہٰذا اسے ان کے تفردات میں شامل کیا گیا ہے۔[٢]

---

(١) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ١/٩٦

(٢) یہی موقف مولانا حمید الدین فراہی کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی کا ہے۔ مولانا فراہی کی کتاب "الرای الصحیح" کا اردو ترجمہ انہوں نے کیا تھا اور فراہی کے موقف پر کسی تحفظ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اپنے استاد کا تتبع کرتے ہوئے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں لکھتے ہیں: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب جو دکھایا گیا اس کی اصل تعبیر یہ تھی کہ وہ اس بیٹے کو خدا کی نذر کر دیں۔ یہ مقصود نہیں تھا کہ اس کو وہ فی الواقع ذبح کر دیں"۔ (امین احسن اصلاحی، مولانا، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ١٩٩٩ء، ٧/ ٤٨٦) لیکن فوراً بعد اضافہ کرتے ہیں: "جب وہ بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے تو خواب کو جو اصل منشاء تھا، وہ پورا ہو گیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت دے دی کہ خواب کا مقصد پورا ہو چکا۔ (ص ٤٨٦)۔ خط کشیدہ عبارتوں سے واضح ہے کہ ایک ہی سلسلہ بیان میں متضاد باتیں لکھ رہے ہیں، کہ ذبح کرنا خواب کا "اصل منشا" و "مقصد" تھا، لیکن "مقصود نہیں تھا۔" "مقصد" اور "مقصود" میں یہ موہوم مغایرت فقط انہیں نظر آ سکتی ہے جو "عربیت کا ذوق" رکھتے ہوں۔ مسئلہ وہی ہے جو فراہی اور شبلی کو پیش آیا، لیکن شبلی پر علماء کے ہاتھوں جو گرفت ہوئی، حتیٰ کے ان کے مایہ ناز شاگرد سلیمان ندوی نے بھی معاف نہ کیا، اس کی وجہ سے امین اصلاحی احتیاط پر مجبور ہوئے ہیں لہٰذا "اجتہادی غلطی" کی صراحت سے گریز کیا ہے۔ یہ تضاد ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا بیان گڑبڑا گیا ہے۔ اس فکری تذبذب کے نتیجے میں تحریر میں جو اغلاق پیدا ہو گیا ہے وہ دیدنی ہے۔ (پوری بحث کے لیے دیکھیے: اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر قرآن، ٧/ ٤٨٤۔٤٨٧)

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی[۱] نے اس تفرد کو اور بھی کھول کر بیان کر دیا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"خاتمہ کلام کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "قربانی کی حقیقت" کے سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس سے ان کا مقصد مخالفین اسلام کے اس اعتراض سے بچنا تھا کہ مسلمانوں کی قربانی کی رسم، اولاد کو بھینٹ چڑھانے کی، بت پرست قوموں کی رسم کے مشابہ ہے "۔[۲]

شاید یہاں پر ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کے استخراج پر یہ اضافہ مفید ہو کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قسم کے تفردات برطانوی راج میں دین پر روز افزوں عدم اعتماد سے پیدا ہو رہے تھے اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ نہایت اخلاص سے دین کی ان باتوں کو صنعت تاویل سازی سے اپنے محل سے ہٹا رہے تھے جو جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اب قابل قبول نہیں رہی تھیں۔ یہ مخلصانہ کوشش دین پر اعتماد تو کیا بحال کرتی، الٹا روحانی امور کے بارے میں تشکیک کا موجب بن رہی تھی۔[۳] شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے خود واضح کر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ جیسے کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، ان کے لیے کیوں قابل قبول نہ تھا، لکھتے ہیں:

"قدیم زمانے میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں، یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے قبل موجود تھی۔ مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے "۔[۴]

استعمار کے قیام کے بعد متجددین کی دنیا بدل گئی اور دین بھی، متجددین نے قرآن مجید اور حدیث پاک میں تاویل کا عبرت ناک باب کھولا اور دین کو مسخ کر کے رکھ دیا، علاوہ اس کے کہ یہ معاملات ہمارے متجددین کی کوتاہی علم و نظر اور قلت تحقیق و مطالعہ کو ظاہر کرتے ہیں، یہ ان کے مزاج میں دینیت کی کمی کی جانب بھی اشارہ کرتے ہیں۔ راقم الحروف کا یہ خیال نہیں بلکہ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے اسی قسم کے رجحانات کے سبب،

---

(۱) ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی صاحب، شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، آپ کی مشہور کتاب "مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سیرت نگار" شبلی کی سیرۃ "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" پر ہونے والی تنقیدوں میں، علمی اور تحقیقی پائے کے اعتبار سے بہترین تصانیف میں شمار ہونے کے لائق ہے اور اپنی جامعیت وعلمیت اور افادیت کے سبب، اس موضوع پر غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔

(۲) ظفر احمد صدیقی، ڈاکٹر، "مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سیرت نگار"، بیت الحکمت لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۸۴

(۳) نادر عقیل انصاری، "استعماریات اور شبلی کی سیرت نگاری"، سہ ماہی "جی" لاہور، جولائی۔ اکتوبر، جلد: ۷۔۸، ص: ۹۵

(۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱/ ۹۵

"سیرت النبی ﷺ" کی اشاعت سے قبل بعض اہل علم نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی مذہبیت پر اعتراض کیا تھا اور اسی بنا پر ان کی زیر تصنیف کتاب کے بارے میں خدشات ظاہر کیے تھے۔[١]

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"مخالفین معترض تھے کہ سیرت میں روحانیت نہیں ہو گی"۔[٢]

٢- تفرد غزوۂ بدر:

تفرادت کے باب میں دوسری مثال غزوہ بدر کی ہے۔ تمام علماء و محققین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ سے قریش کے اس قافلے سے تعرض کرنے نکلے تھے جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا تھا لیکن ایسے اسباب پیش آئے کہ قافلہ تجارت تو بچ کر نکل گیا اور مسلمانوں کو ناچار مقام بدر میں لشکر قریش سے لڑنا پڑا۔ لیکن مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان قریش کے مسلح لشکر کے خلاف مدافعت کے لیے نکلے تھے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش رو سر سید احمد خان، غلام احمد قادیانی اور چراغ علی نے اقدامی جہاد کا انکار کر دیا تھا اور محض دفاعی جنگ کا جواز باقی رکھا تھا۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی سلسلہ معذرت کی ایک کڑی ہیں۔ چنانچہ انہیں اس واقعہ کے انکار کے لیے بہت تگ و دو کرنی پڑی ہے چونکہ یہاں بھی شبلی کا استدلال غلط ہے، لہٰذا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت المصطفیٰ میں اس رائے پر کڑی تنقید کی ہے۔[٣]

---

(١) نادر عقیل انصاری، ص:٩٥

(٢) سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، (مرتب) مکاتیب شبلی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ١٩٢٧ء، ص:١/ ٢٩٩-٣٠٠۔ اس اعتراض پر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب بھی دلچسپ ہے جس میں وہ اپنے معترضین پر بہت برسے ہیں لکھتے ہیں: "آج کل کے ریاکاروں نے دوسروں سے بدگمان کرنے کے لیے بہت سے الفاظ تراشے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فلاں شخص میں روحانیت نہیں۔ فلاں شخص عالم ہے لیکن دین دار نہیں۔ لیکن انہی دین داروں کو مہینوں میں دیکھا ہے کہ نماز فجر کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ باوجود اس کے ان کی دین داری اور روحانیت میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا" اس کے بعد مثالیں دیتے ہیں کہ حجاج جیسے نامقبول حکمرانوں اور معتزلیوں جیسے نامحمود متکلموں نے بھی کچھ اچھے کام کیے ہیں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اپنے موصوف معترضین کو مکرر بے علم اور حاسد بتاتے ہیں: "قوم میں جب نیک وبد کی تمیز ہوتی ہے تو وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔ اس کو خود بھروسا ہوتا ہے کہ وہ خذماصفا کرلے گی۔ جب علم نہیں رہتا اور حسد اور رشک کے سوا اور کوئی جوہر نہیں موجود ہوتا، تو لوگ اس قسم کی باتیں کہہ کر اپنا دل خوش کرتے ہیں اور لوگوں کو بدگمان بتاتے ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مکاتبِ شبلی، ١/ ٢٩٩-٣٠٠

(٣) شبیر احمد عثمانی، مولانا، حواشی قرآن مجید، مدینہ بک ڈپو، دہلی، طبع دوم، ١٩٧٨ء، ص: ٢٢٩: محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، سیرت المصطفیٰ ﷺ، ربانی بک ڈپو، دہلی، ١٩٨١ء، ١/ ٦٣٤۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ رسالہ "القاسم"

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک لکھا ہے کہ جو لوگ اس قسم کا استدلال کر رہے ہیں:

"وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث و سیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں "۔[۱]

کم و بیش یہی مؤقف مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا بھی ہے، آپ لکھتے ہیں:

"کسی علامہ کا یہ خیال کرنا کہ حضور پر نور نے اول سے آخر تک کسی وقت بھی تجارتی قافلے پر حملے کی نیت نہیں کی بلکہ ابتدا ہی سے حضور پر نور نے جو سفر شروع فرمایا، قریش کے اس فوجی لشکر کے مقابلے اور دفاع کے لیے تھا، جو از خود مدینے پر حملہ کرنے کے لیے اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا، یہ خیال ایک خیال خام ہے، جو اپنی مزعومہ درایت اور خود ساختہ اصول جس پر تمام ذخیرہ احادیث نبویہ اور ارشادات قرآنیہ اور روایات سیرت اور واقعات تاریخیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں "۔[۲]

۳۔ تفرد کنیزوں اور لونڈیوں سے متمتع ہونے پر:

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تفرد کنیزوں سے متمتع ہونے کے مسئلہ سے متعلق ہے۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کنزیں مطلق نہ تھیں۔ یوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک سے زائد کنیزوں کا تاریخی ثبوت موجود ہے، لیکن مستشرقین نے بالخصوص حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے واقعے کو ہدفِ تنقید بنایا تھا۔ چنانچہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک یمین میں آنا مسلمانوں کے علمی ادب میں ایک معروف واقعہ ہے، لیکن مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ مستشرقین کے اعتراض کا حل یہ نکالتے ہیں کہ واقعے کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔ لکھتے ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا ہو گا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں"۔[۳]

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعوے کے حق میں نہ کوئی دلیل پیش کی ہے، نہ حوالہ! فقط قیاس کیا ہے کہ:

(دیوبند) کے نزدیک ہم لوگ کافر، کم از کم مضل اور گمراہ ہیں۔ سید سلیمان ندوی، (مرتب)، مکاتیب شبلی، ۱/۳۱۹۔ خود شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی دیوبند کے بارے میں رائے اچھی نہیں تھی، دیوبند کے مکتب فکر کو ایک "فرسودہ عمارت" کہتے تھے۔ سید سلیمان ندوی، مکاتیب شبلی، ۱/۱۵۷

(۱) شبیر احمد عثمانی، حواشی قرآن مجید، محولہ بالا، ص: ۲۲۹

(۲) محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ۱/۶۳۴

(۳) شبلی نعمانی، مولانا، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱/۴۷۲

"نکاح کیا ہو گا!" اس قیاس کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے، بالخصوص جب تمام کتب احادیث و تاریخ میں اس واقعہ کا بیان شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے دعوی کی صراحت سے تردید کر رہا ہے۔ ڈاکٹر ظفر صدیقی صاحب نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کی طرف اشارہ کر کے دراصل قارئین کی توجہ اس انقلاب کی جانب دلائی ہے کہ کہاں یہ کہ ابتدا میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کی کتاب کا مدار ہی صحیحین پر ہو گا اور کہاں یہ کہ اثنائے تصنیف صحیحین کی روایات پر جرح کر کے انہیں رد کرتے نظر آتے ہیں۔[1]

۴- بیانِ واقعات میں تساہل:

شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان واقعات میں جو چھوٹی چھوٹی غلطیاں کی ہیں یہاں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے: علامہ شبلی کے نزدیک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیغام نہیں بھیجا تھا، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے قیام کی مدت ان کے خیال میں چھ برس ہے (کوئی تاریخی روایت اس کے حق میں نہیں ہے)، غزوہ حنین کے موقع پر مسلمانوں نے تیس ہزار درہم قرض لیا تھا (بخاری کی روایت کے مطابق یہ قرض دس ہزار یا اس سے زائد تھا) محاصرہ طائف کی مدت بیس دن تھی (تاریخ و حدیث میں یہ مدت اس سے مختلف ہے)، غزوہ احزاب میں نوفل خندق میں گر پڑا تو مسلمانوں نے اسے تیر مارے اور اس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں (دراصل تیر نہیں بلکہ پتھر مارے تھے اور اس نے کہا تھا، عربو! میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں) اور خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف دیکھا اور "خوف انگیز" لہجے میں کلام کیا۔ علامہ شبلی نے ابن اسحق کا حوالہ دیا ہے لیکن وہاں "خوف انگیزی" کا کوئی ذکر نہیں۔ غالباً اپنی تحریر میں زور پیدا کرنے کے لیے یہ شاعرانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔[2]

---

(١) ڈاکٹر نادر عقیل انصاری لکھتے ہیں: "اس موقع پر یہ تصریح ضروری ہے کہ شبلی علی گڑھ کی فکری تحریک کے ایک سرگرم رکن ہیں لیکن ان کے ہاں انکار حدیث کا جذبہ خفیہ رہا، بس کبھی کبھی انگڑائی لے کر اٹھتا تھا۔ لیکن ان کے بعض متبعین میں یہ اپنی پوری فتنہ سامانیوں کے ساتھ نمودار ہوا۔ یہ معاملہ بظاہر پیچیدہ نظر آتا ہے لیکن اسے سمجھنا سہل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شبلی تاریخ و ادب کے میدان کے شہسوار تھے، تفسیر و حدیث اور فقہ و احکام کے مرد میدان نہ تھے۔ اگر خدانخواستہ وہ قرآن مجید، شرح حدیث اور فقہ کے دائرے میں دین کی "خدمت" کرنے کا فیصلہ کرتے تو شاید صورت حال یہ نہ ہوتی اور خدشہ ہے کہ انکار حدیث میں کمال کا وہ اعزاز جو ان کے دبستان میں متاثرین کو ملا ہے، دبستان شبلی کے بانی ہی کے حصے میں آ جاتا ہے"۔ دیکھیے: نادر عقیل انصاری، ص:٩٧

(٢) تفصیل کے لیے دیکھیے: شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ١/ ٣٦٦-٥٢٠

۵- تفرد معجزات و دلائل نبوت کے بیان پر:

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی اور علمی و عملی کمزوری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے اس امر کو واضح کیا ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں مختلف مواقع پر آپ سے بار بار معجزات اور دلائل نبوت کا ظہور ہوا ہے لیکن مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان میں سے اکثر واقعات دبا دیئے گئے ہیں۔(۱)

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کے بیان سے یہ عندیہ بھی ملتا ہے کہ "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں یہ واقعات جان بوجھ کے اور شعوری طور پر دبائے گئے ہیں۔ راقم الحروف کہ خیال میں افکار شبلی اور "دبستان شبلی" کی کوئی تفہیم ہندوستان کے انیسویں صدی کے متجد دین (سرسید احمد خان، مولوی چراغ علی، اور مرزا غلام احمد قادیانی) کو سمجھے بغیر معتبر نہیں ہے۔ یہاں بھی شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر سرسید احمد خان کے اثرات نمایاں ہیں۔ معجزات کے موضوع پر سرسید احمد خان کے خیالات معروف ہیں اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متوسلین نے اس روایت کو قائم رکھا۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی تیسری جلد میں مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فصل معجزات پر لکھی تھی۔ اس پر مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید انگلی رکھ کر اُن انحرافات کی نشاندہی کرتی ہے۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے کئی مثالیں دی ہیں جہاں مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے معجزات کے بارے میں صحیح بخاری وغیرہ کے بیانات کو بھی قلم زد کر دیا ہے۔

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو واقعات ذکر نہیں کیے ان کی اجمالی فہرست یہ ہے:

> "غزوہ خندق کے موقع پر تھوڑے سے کھانے سے ایک جماعت کا سیر ہو جانا (بخاری)، معجزہ شق قمر (بخاری)، غزوہ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شام اور مدائن کے محلات دکھائے گئے (مسند احمد، نسائی)، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ ان کی دعا کی قبولیت تھی کہ جب جہاد و قتال کی ضرورت باقی نہ رہے تو مجھے وفات دے دینا (بخاری)، حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پھیرنے سے جڑ گئی (بخاری)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھونک مارنے سے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر چوٹ مندمل ہو گئی (بخاری)، مسلمانوں کو غزوہ احد کی شکست کا علم خواب سے ہو چکا تھا"۔(۲)

---

(۱) ظفر احمد صدیقی، ڈاکٹر، مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار، ص:۲۲۵

(۲) ایضا، ص:۲۲۵-۲۳۲، مزید دیکھئے: نادر عقیل انصاری، ڈاکٹر، استعاریات اور شبلی کی سیرت نگاری، سہ ماہی "جی"، لاہور، جلد:۷-۸، ص:۹۸-۹۹ (مع حواشی)

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کے اس تحقیقی کام (مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سیرت نگار) سے بعض اہل علم کے ان تبصروں کی علمی حیثیت طشت از بام ہوتی ہے جن میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی استناد اور تحقیقی و تنقیدی پائے کو خراج تحسین پیش کیا گیا تھا۔[1]

ڈاکٹر صدیقی صاحب کے الفاظ میں ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

> "علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈیڑھ جلدوں میں مذکور روایات وواقعات میں پچاس فیصد کے بقدر کم مستند ہیں یا غیر مستند ہیں۔ اس کتاب کے مواد و مشتملات کی تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مستند یا کم مستند روایات کا تناسب کم از کم پچاس یا ساٹھ فیصد ہے۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ جلدوں میں (جو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کیں) مرسل، معضل اور منقطع روایات بھی درجنوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اسی طرح متعدد ضعیف راویوں کی ضعیف روایات نے بھی اس کتاب میں جگہ پالی ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تاثر کہ اس میں شامل تمام روایات تحقیق واستناد اور محدثانہ صحت کے معیار پر پوری اترتی ہیں، محض حسن ظن پر مبنی ہے"۔[2]

خلاصۂ بحث:

ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی صاحب کی محققانہ کتاب (مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سیرت نگار) میں شامل مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب (استاد الحدیث، دارالعلوم دیوبند) کا "ابتدائیہ" شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے پس منظر

---

(۱) مثلاً: ڈاکٹر انور محمود خالد کا خیال ہے کہ "شبلی (مولانا) نے اپنی کتاب میں صرف وہی روایات ذکر کی ہیں، جنہیں وہ ہر اعتبار سے قابل استناد سمجھتے تھے۔ (انور محمود خالد، ڈاکٹر، اردو نثر میں سیرت رسول، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۵۹۰)، اختر وقار عظیم لکھتے ہیں: "شبلی (مولانا) کی تصانیف میں حرف آخر (شبلی کی) سیرۃ النبی ہے۔ آج تک سیرۃ النبی سے زیادہ محققانہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں لکھی گئی"۔ (اختر وقار عظیم، شبلی بحیثیت مورخ، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۹ء، ص:۱۲۳) اسی طرح کی آراء شاہ معین الدین ندوی، شیخ محمد اکرام اور عبدالطیف اعظمی نے بھی ظاہر کی ہے۔ ان اہل قلم کی طرف سے بہر حال یہ عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ ان میں سے اکثر ادب کے میدان کے شہسوار ہیں، علوم دینیہ کے نہیں ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کی زیر تبصرہ کتاب اس قسم کی غلط فہمیوں کے ازالے کی علمی کوشش ہے۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: ظفر احمد صدیقی، ڈاکٹر، مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، ص:۱۰۲، ۱۱۱، ۱۱۴

اور اس کے اغراض و مقاصد کو نہایت خوبی سے بیان کرتا ہے، جو ہندوستان میں اسلام اور جدیدیت کی کشمکش اور تحریک جدیدیت کے نمایاں افراد کے ذہن کو سمجھنے کے لیے مفید ہے۔ آخر میں اعظمی صاحب کی تحریر کا ایک طویل اقتباس پیش خدمت ہے۔ اعظمی صاحب نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کے پہلوؤں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان کے نزدیک مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خوبیوں میں ذوق تحریر کی حامل ایک نسل پیدا کرنا، تصنیف و تالیف کے ادارے کا قیام، منفرد اسلوب نگارش، معیار تحقیق، قوت استدلال اور سلیقہ ترتیب شامل ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے بارے میں مقدمہ کتاب یا مکتوبات وغیرہ میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ اسی کیفیت کے حامل ہیں حالانکہ "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کو مندرجہ بالا خصوصیات کے اعتبار سے اگرچہ بے نظیر تسلیم کیا گیا ہے لیکن جہاں تک کے جملہ مندرجات کے مستند ہونے کی بات ہے تو یہ چیز کتاب کی اشاعت کے روز اول ہی سے ارباب تحقیق علماء کے نزدیک محل نظر اور بحث طلب رہی ہے۔ ماضی میں مولانا محمد اسحق صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا عبد الرؤف صاحب داناپوری، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ اور کتنے ہی بالغ نظر علماء نے مختلف مقامات پر جستہ جستہ تنقیدیں کی ہیں جن کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان سب کے خلاصے کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مصنف (شبلی رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب کے استناد کے لیے جن شرائط کے اہتمام کا دعویٰ کیا تھا وہ اس کو پورا نہ کر سکے۔

شرائط کو پورا نہ کر سکنے کی اصل وجوہ تو کام کرنے والا ہی بتا سکتا ہے، تاہم مصنف کی جانب سے جو معذرت پیش کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس دور میں کتابیں اتنی عام نہیں تھیں یا بعض کتابیں مہیا بھی ہوئیں تو وہ قلمی تھیں، جن سے استفادہ دشوار ہوتا ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ مشہور واقعات کے نقل کرنے میں زیادہ تجسس و تحقیق کے بجائے سہل الوصول اور متداول کتابوں پر اکتفا کیا گیا ہو۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ محدث کے بارے میں اسی طرح کی بات منقول ہے کہ انہوں نے راویوں کے بارے میں جن سخت شرائط کی پاسداری کا ذکر کیا، ہر جگہ اس کو پورا نہ کر سکے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بیان کیا کہ بعض مشہور روایات کی نقل میں علو سند کی وجہ سے انہوں نے ایسے راویوں کو لے لیا جو کچھ محدثین کے نزدیک قابل اعتراض تھے کیوں کہ یہ روایات ثقہ راویوں سے اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح کا کوئی عذر علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر رہا ہو۔

دوسری معذرت مصنف کی جانب سے یہ پیش کی جا سکتی ہے کہ ان کے دور میں پورا عالم اسلام مستشرقین کے حملوں کی زد میں تھا۔ مستشرقین کے حملوں سے پیدا ہونے والے تاثر کا ازالہ بھی مصنف کے

پیش نظر ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ علماء نے اس دور میں مستشرقین کے مقابلے پر صرف دفاعی کام کیا ہے۔ اقدام کی حیثیت کا کوئی علمی کام ہمارے علم میں نہیں اور دفاعی کام کرنے والے بھی دو گروہ نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ تو ان مستشرقین کے حملوں سے اتنا مرعوب تھا کہ اس نے مسلمات شرعیہ سے انکار یا ان میں رکیک تاویل تک سے اجتناب نہیں کیا۔ اس گروہ کی مشہور شخصیت سر سید احمد خان تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو اس درجہ مرعوب تو نہیں تھا کہ مسلمات شرعیہ میں تاویل کے راستے تلاش کرے لیکن وہ ایسی چیزوں کو نقل کرنے کا اہتمام کرتا تھا جس پر مستشرقین کا اعتراض کم سے کم ہو۔ شبلی نعمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس پر یہ بات مستزاد ہے کہ خود ان کا اندازِ فکر عقل کو نقل پر ترجیح دینے کا ہے، جس کی وجہ سے انہیں معتزلہ کے اندازِ فکر کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر یوں کہنا چاہیے کہ خود ان کا اندازِ فکر یہ ہے کہ عقل کو نقل پر ترجیح دی جائے پھر یہ مجبوری کہ ایسی نقل چاہیے جس پر مستشرقین کو مطمئن کیا جاسکے۔ ان مجبوریوں نے کتنی ہی جگہ مصنف کو پابہ زنجیر کر دیا اور وہ درجہ استناد میں اپنے دعوے سے نیچے اترنے پر مجبور ہو گئے۔[1]

اخیر میں عرض ہے کہ تمام تفردات کا استیعاب و احاطہ مقصود نہیں اس لیے صرف تین مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ان مثالوں سے مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات نیز ضعف استدلال کی نوعیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نتائج:

اس مقالے کی روشنی میں ہم درج ذیل نتائج پیش کر سکتے ہیں:

١- مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے ممتاز مصنف تھے جنہوں نے اپنے تحقیقی ذوق کو ایک دبستان میں بدل دیا۔

٢- وہ قدیم و جدید کا حسین امتزاج تھے۔

٣- مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے متنوع علمی اور ادبی کام کیے مگر زندگی کے آخری سالوں کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف میں صرف کیا۔

٤- سیرت نگاری پل صراط سے گزرنے کا مرحلہ ہے۔ عقیدت اور تحقیق کے تقاضوں کو پورا کرنا اس راہ کی ایک سعادت اور مشکل ہے۔

---

(١) مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، ص:١٣-١٥

۵- اردو تو کجا خود عربی ادبیات میں اصولِ سیرت پر صدیوں سے کوئی معتبر اور مستند تصنیف نہیں لکھی گئی۔ اس ضمن میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا طویل اور مبسوط مقدمہ ایک معرکے کی چیز ہے مگر افسوس کہ اپنی کچھ مجبوریوں اور معذوریوں کے باعث وہ اس مقدمہ میں اپنے ہی طے کردہ اصولوں کی پاسداری نہ کر سکے۔

۶- اس ضمن میں ان کی شخصیت کے اس پہلو کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے کہ وہ اس دبستانِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جو علومِ عقلیہ کو علومِ نقلیہ پر ترجیح کا احساس رکھتے ہیں۔

۷- ان کی مجبوری تو یہ تھی کہ ان کہ پاس بہت سے مطلوبہ مصادرِ علمی موجود نہ تھے، جس کے باعث وہ سہل الحصول اور متداول کتابوں سے استفادہ کرتے رہے مگر معذوری یہ تھی کہ اپنے عہد میں مستشرقین کی علمی یورش اور تحقیقی یلغار نے جہاں بہت سے حضرات کو مغلوب اور مرعوب کر رکھا تھا وہاں شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف بعض مسلماتِ شرعیہ کی تاویل کی راہ کو اپنایا جس سے ان کے بہت سے تسامحات سامنے آئے۔

۸- مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بے نظیر مقدمہ میں جن اصولوں کو وضع کیا، جب متنِ کتاب میں وہ مراحل آئے تو بہت سے مقامات پر انہوں نے احادیثِ صحیحہ پر روایات کو ترجیح دی اور یوں سیرت نگاری اور تاریخ نویسی میں وہ لطیف فرق ملحوظ نہ رکھ سکے جو ان کا علمی استحقاق تھا۔

۹- اہل علم و دانش نے اپنے علمی محاکے اور بے لاگ تحقیقات کے ذریعے مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض نتائجِ فکر اور روایات کی تصحیح کی ہے اور اپنے محکم استدلال کو واضح کیا ہے۔

۱۰- یوں یہ علمی کوشش کسی شخصیت کی مخاصمت یا مسلمہ عظمت کو کم کرنے کی بجائے ہمارے اسلاف کی اس علمی راہ پر چلنے کی کوشش ہے جس میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ناگزیر ہے۔

۱۱- یہ علمی محاکے اصولِ سیرت کو نکھارنے کی ایک مثبت کوشش ہے جن کی عصرِ حاضر کے سیرت نگاروں کو اشد ضرورت ہے۔

پیشِ نظر رہے کہ اس نوعیت کی چند تحقیقی فروگزاشتوں اور علمی لغزشوں کے باوجود مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شخصیت مسلم اور ان کے ادبی اور تحقیقی کارنامے زندہ جاوید ہیں۔